ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2968

Program: BS

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: اسلام کا قانون زکوٰۃ وعشر (2968) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ تخصص شریعہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (بونس: 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: مصارفِ زکوٰۃ اور ان کی اقسام (20 نمبر)

مصارفِ زکوٰۃ کا نظام اسلامی معاشرے میں مستحق افراد کی مدد اور معاشی توازن قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مصارفِ زکوٰۃ کی وضاحت کریں اور ان کی اقسام کو بیان کریں۔

تعارف

زکوٰۃ کے نظام کی خوبصورتی صرف اس میں نہیں کہ مال دار سے لیا جائے بلکہ اس میں بھی ہے کہ شریعت نے خود بتا دیا ہے کہ یہ رقم کہاں خرچ ہو گی۔ ان مدات کو مصارفِ زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت 60 میں آٹھ مصارف صراحت کے ساتھ گنوائے گئے ہیں اور آیت کا انداز یہ بتاتا ہے کہ یہ تقسیم اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے، انسانی پسند و ناپسند کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہی تعین زکوٰۃ کو خیرات کے بے سمت بہاؤ سے نکال کر ایک مکمل فلاحی نظام بناتا ہے۔ اس جواب میں ہم پہلے مصارف کا مفہوم واضح کریں گے، پھر آٹھوں اقسام کو ایک ایک کر کے بیان کریں گے اور آخر میں بتائیں گے کہ یہ نظام معاشی توازن کس طرح قائم کرتا ہے۔ یہاں بیان کردہ تعریفیں عمومی فقہی تعریفیں ہیں؛ کسی خاص شخص کے مستحق ہونے یا نہ ہونے کا حتمی فیصلہ اس کے حالات کی جانچ اور اہلِ علم کی رہنمائی سے ہوتا ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ کا مفہوم اور اس کی بنیاد

مصارف جمع ہے مصرف کی، جس کے معنی ہیں خرچ کرنے کی جگہیں یا مدات۔ اصطلاح میں مصارفِ زکوٰۃ سے مراد وہ آٹھ طبقے ہیں جن پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز بلکہ مقرر ہے اور ان کے علاوہ کسی غیر مستحق مد میں زکوٰۃ دینے سے فرض ادا نہیں ہوتا۔ اس تعیین کی حکمت یہ ہے کہ زکوٰۃ کا پیسا دینے والے کے ذاتی تعلقات، شہرت یا سیاسی مقاصد کا شکار نہ ہو بلکہ انہی لوگوں تک پہنچے جو حقیقی ضرورت مند ہیں۔ قرآن مجید نے انہیں اللہ کی طرف سے فریضہ قرار دیا ہے، یعنی یہ تقسیم اسی طرح فرض کا حصہ ہے جس طرح زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔ اس بنیاد کی موجودگی میں زکوٰۃ کا نظام شفاف بھی ہو جاتا ہے اور قابلِ احتساب بھی، کیونکہ ہر کوئی دیکھ سکتا ہے کہ رقم مقررہ مدات ہی میں گئی ہے یا نہیں۔ فقہاء نے اسی آیت سے یہ اصول بھی اخذ کیا ہے کہ زکوٰۃ میں مستحق کو مالک بنانا ضروری ہے، اور جہاں کسی مد میں فقہی اختلاف ہو وہاں اجتہاد کی گنجائش کو احترام سے دیکھا جاتا ہے۔

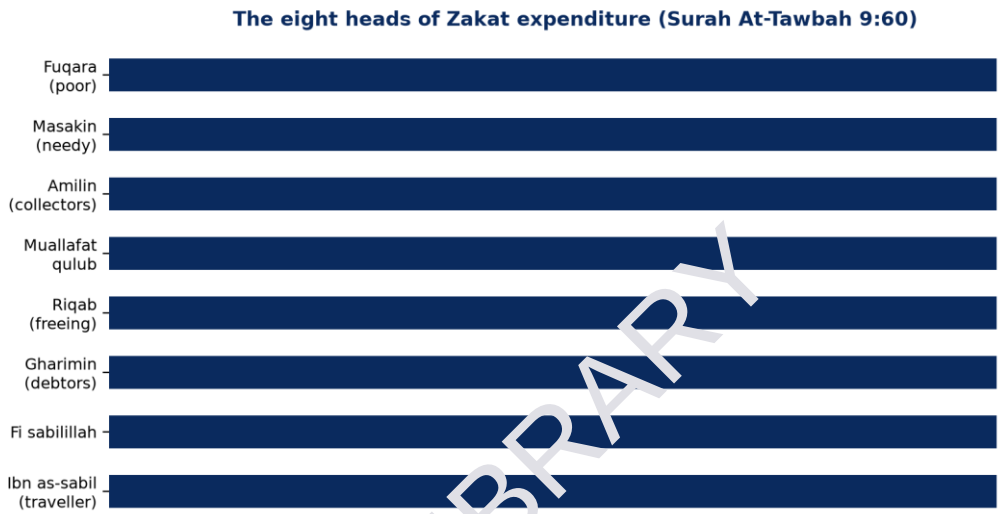

شکل 1: مصارفِ زکوٰۃ کی آٹھ مدات (سورۃ التوبہ، آیت ۶۰)

پہلی دو اقسام: فقراء اور مساکین

مصارف میں سب سے پہلے فقراء کا ذکر ہے۔ فقیر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس کچھ مال تو ہو مگر نصاب سے کم ہو اور اس کی آمدن اس کی بنیادی ضروریات کے لیے ناکافی ہو۔ دوسری قسم مساکین ہے؛ مسکین اس سے بھی زیادہ مفلس ہوتا ہے جس کے پاس تقریباً کچھ نہیں ہوتا۔ دونوں لفظوں کی باہمی تعریف میں فقہاء کی آراء میں تھوڑا سا فرق ہے کہ کون سا طبقہ زیادہ ضرورت مند ہے، مگر اتفاق اس پر ہے کہ دونوں زکوٰۃ کے اولین مستحقین ہیں۔ ان دونوں مدات کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد خوراک، لباس، رہائش اور علاج جیسی بنیادی چیزوں سے محروم نہ رہے۔ فقہاء کی ایک دلچسپ ہدایت یہ ہے کہ فقیر کو اتنی زکوٰۃ دی جائے کہ اس کی ضرورت پوری ہو اور اگر ممکن ہو تو وہ خود کفالت کی طرف بڑھے، مثلاً اسے روزگار کا ذریعہ فراہم کر دیا جائے۔ یہ اصول زکوٰۃ کو وقتی امداد سے آگے بڑھا کر مستقل بحالی کا ذریعہ بناتا ہے۔ دیتے وقت مستحق کی عزتِ نفس کی حفاظت بھی اس مد کا لازمی حصہ ہے۔

تیسری اور چوتھی قسم: عاملین اور مؤلفۃ القلوب

تیسری قسم عاملین ہیں، یعنی وہ لوگ جو اسلامی ریاست یا باقاعدہ نظام کے تحت زکوٰۃ کی وصولی، حساب اور تقسیم کے کام پر مامور ہوں۔ انہیں ان کے کام کی اجرت زکوٰۃ سے دی جا سکتی ہے چاہے وہ ذاتی طور پر غنی ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ یہ رقم ان کے کام کے عوض ہے نہ کہ ضرورت کی بنا پر۔ اس مد سے دو بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں: ایک یہ کہ نظام پیشہ ورانہ انداز میں چلتا ہے اور دوسرا یہ کہ انتظامی اخراجات کے لیے نظام کو لوگ سے چندوں کا محتاج نہیں ہونا پڑتا۔ چوتھی قسم مؤلفۃ القلوب ہے، یعنی وہ لوگ جن کی دلجوئی مقصود ہو؛ کلاسیکی فقہ میں اس سے مراد وہ نئے مسلمان یا وہ افراد تھے جن کی تالیفِ قلب سے اسلام اور مسلمانوں کو تقویت ملتی تھی۔ اس مد کی موجودہ تطبیق کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں، اس لیے اجتماعی نظاموں میں اس مد کا استعمال مجاز اہلِ علم کے مشورے سے ہونا چاہیے۔ یہ مد دراصل بتاتی ہے کہ زکوٰۃ کا نظام انسانی نفسیات اور سماجی تقاضوں کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے۔

پانچویں اور چھٹی قسم: رقاب اور غارمین

پانچویں قسم رقاب ہے، جس کا اصل مفہوم غلاموں کی آزادی کے لیے زکوٰۃ خرچ کرنا تھا۔ تاریخی دور میں یہ مد انسانیت کی آزادی کی عظیم خدمت تھی؛ آج غلامی کی کلاسیکی صورت ختم ہو چکی ہے، تاہم بعض علماء نے اس کے مفہوم میں جدید دور کی انسانی اسمگلنگ کے شکار افراد یا قید میں پھنسے مظلوموں کی رہائی جیسی صورتوں کو اجتہادی طور پر شامل کرنے کی بحث کی ہے۔ چونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے، عام قاری کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس میں مستند علماء کی رائے کو معیار بنائے۔ چھٹی قسم غارمین ہے، یعنی وہ مقروض لوگ جو جائز ضرورت کے لیے قرض میں پھنس گئے ہوں اور ان کے پاس قرض کی ادائیگی کے بعد نصاب کے برابر مال باقی نہ رہتا ہو۔ مقروض کی مدد کی بڑی حکمت یہ ہے کہ قرض انسان کو ذہنی دباؤ، خاندانی انتشار اور کبھی کبھی غلط راستوں تک لے جاتا ہے؛ زکوٰۃ سے قرض اتر جائے تو وہ دوبارہ باعزت زندگی کی طرف لوٹ سکتا ہے۔ وہ شخص جو فتنہ و فساد یا فضول خرچی میں قرض دار ہوا ہو اس کے حکم میں فقہاء نے احتیاطیں بیان کی ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے۔

ساتویں اور آٹھویں قسم: فی سبیل اللہ اور ابنِ سبیل

ساتویں قسم فی سبیل اللہ ہے، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ کلاسیکی فقہ میں اس کا مرکزی مفہوم دین کی حفاظت اور سربلندی کے لیے جہاد اور اس سے متعلق ضروریات رہا ہے۔ بعد کے ادوار میں بعض علماء نے اس کے مفہوم میں دینی تعلیم، دعوت اور دیگر فلاحی دینی خدمات کو بھی اجتہاداً شامل کیا ہے جبکہ دوسرے علماء اسے محدود مفہوم میں رکھنے کے قائل ہیں۔ یہ ایک معروف اجتہادی اختلاف ہے؛ اس گائیڈ کا مقصد کسی ایک رائے کو حتمی کہنا نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ طالب علم اس مسئلے میں اپنے مستند مکتبِ فکر کے علماء سے رجوع کرے۔ آٹھویں قسم ابنِ سبیل ہے، یعنی وہ مسافر جو سفر میں محتاج ہو جائے اگرچہ اس کے گھر پر مال موجود ہو۔ دورِ حاضر میں اس کی صورتیں یہ ہو سکتی ہیں: حادثے کا شکار مسافر، مالی پریشانی میں پھنسا طالب علم یا مزدور جو وطن سے دور ہو، یا آفت کی وجہ سے بے گھر ہونے والا شخص جب تک اسے باعزت سہارا نہ ملے۔ اس مد سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا نظام مقامی حدود سے نکل کر سفر اور ہجرت کی انسانی ضرورتوں کو بھی سمجھتا ہے۔

جدول 1: آٹھ مصارفِ زکوٰۃ کا خلاصہ

مقصد	مفہوم	مصرف
بنیادی کفالت	آمدن ضرورت سے کم، مال نصاب سے کم	فقراء
فوری سہارا	فقراء سے بھی زیادہ مفلس	مساکین
نظام کی انتظامی اجرت	وصولی و تقسیم پر مامور عملہ	عاملین
سماجی تقویت	جن کی دلجوئی مقصود ہو	مؤلفۃ القلوب
انسانی آزادی	گردنوں کی آزادی (کلاسیکی مفہوم)	رقاب
قرض سے نجات	جائز قرض میں پھنسے افراد	غارمین

دینی ودفاعی ضروریات	اللہ کی راہ (مفہوم میں اجتہادی وسعت)	فی سبیل اللہ
واپسی وسہارا	سفر میں محتاج مسافر	ابنِ سبیل

مصارف کا نظام اور معاشی توازن

اب اس سوال کا دوسرا حصہ دیکھیں کہ یہ نظام معاشی توازن کیسے قائم کرتا ہے۔ آٹھوں مصارف پر غور کریں تو ایک مکمل سماجی تحفظ کا جال نظر آتا ہے: غریب اور مفلس کو کفالت ملتی ہے، مقروض کو نجات ملتی ہے، مسافر کو سہارا ملتا ہے، نظام چلانے والوں کو اجرت ملتی ہے اور سماجی ہم آہنگی کی مدات بھی شامل ہیں۔ جب ہر کمزور طبقے کے لیے ایک مقررہ مد موجود ہو تو کوئی طبقہ نظام سے باہر نہیں رہتا اور معاشرے میں یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ کسی کو بھلا دیا گیا ہے۔ معاشی توازن کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم استعمال کی کھپت میں جاتی ہے: غریب اسے خوراک، دوا اور تعلیم پر خرچ کرتا ہے جس سے مقامی معیشت میں طلب پیدا ہوتی ہے اور کاروبار چلتا ہے۔ تیسرا پہلو بچت اور سرمایہ کا توازن ہے: امیر کے پاس پڑا مال کچھ کم ہوتا ہے مگر وہ معاشرے کے لیے نفع مند بن جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ تقسیم میں شفافیت اور دیانت ہو؛ بغیر جانچ کے دینا نظام کو کمزور کرتا ہے اور مستحق واقعی محروم رہ سکتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ شریعت کی طرف سے مقرر کردہ آٹھ مدات ہیں: فقراء، مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ اور ابنِ سبیل۔ ہر مد انسانی ضرورت کی ایک خاص صورت کو سنبھالتی ہے، اس لیے یہ نظام محض خیرات نہیں بلکہ مکمل سماجی تحفظ کا ڈھانچہ ہے۔ اسی تعین اور جامعیت کی بدولت زکوٰۃ اسلامی معاشرے میں مستحق افراد کی مدد اور معاشی توازن قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ طالب علم کے لیے عملی سبق یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ دیتے وقت مصارف کا پورا لحاظ رکھے، مستحق کی تحقیق کرے اور جہاں اجتہادی مسائل آئیں وہاں اہلِ علم سے رہنمائی لے۔

سوال نمبر2: جدید معاشرتی مسائل اور ان کا شرعی حل(20نمبر)

جدید معاشرتی مسائل کے حل کے لیے اسلامی تعلیمات ایک جامع فریم ورک فراہم کرتی ہیں جو ہر دور میں قابلِ عمل ہے۔ جدید مسائل کی نشاندہی کریں اور ان کے شرعی حل پر بحث کریں۔

تعارف

ہر دور کے معاشرے کو کچھ ایسے مسائل درپیش ہوتے ہیں جن کی صورتیں پچھلے ادوار سے مختلف ہوتی ہیں۔ آج کا دور رفتار، ٹیکنالوجی اور شہری زندگی کا دور ہے؛ اس نے سہولتیں بھی دی ہیں اور نئے مسائل بھی پیدا کیے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن و سنت کے بنیادی اصول ہر دور کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں، کیونکہ شریعت نے انسان کی فطرت اور معاشرے کی بنیادی ضرورتوں کو مخاطب بنایا ہے اور فقہاء کو اجتہاد کے ذریعے نئی صورتوں پر انہی اصولوں کے اطلاق کا طریقہ دیا ہے۔ اس جواب میں ہم پہلے اہم جدید معاشرتی مسائل کی نشاندہی کریں گے، پھر شرعی حل کا فریم ورک بیان کریں گے اور آخر میں چند نمایاں مسائل پر اس فریم ورک کا اطلاق دکھائیں گے۔ واضح رہے کہ یہاں پیش کی گئی بحث تعلیمی اور اصولی ہے؛ کسی خاص نئے مسئلے میں شرعی حکم کا حتمی تعین اجتماعی اجتہاد اور مستند علماء و ماہرین کا کام ہے، کسی فرد یا گائیڈ کا نہیں۔

جدید مسائل کی نشاندہی: معاشی مسائل

جدید مسائل کی پہلی بڑی قسم معاشی ہے۔ غربت اور مہنگائی نے متوسط طبقے کو بھی دباؤ میں ڈال دیا ہے؛ بے روزگاری خاص کر تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مایوسی پیدا کر رہی ہے؛ سود پر مبنی قرضوں کا جال گھروں اور چھوٹے کاروباروں کو نگل رہا ہے؛ اور دولت کا ارتکاز بڑھنے سے امیر و غریب کی خلیج وسیع ہو رہی ہے۔ کرپشن اور رشوت ایک الگ سماجی بیماری بن چکی ہے جس سے میرٹ ختم ہوتا ہے اور ادارے کمزور ہوتے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ ڈیجیٹل معیشت نے نئی صورتیں پیدا کی ہیں: آن لائن تجارت، فری لانس آمدن، کرپٹو اثاثے اور ڈیجیٹل ادائیگیاں، جن کے شرعی احکام پر بحث جاری ہے۔ ان مسائل کی جڑ اکثر ایک ہی ہے: مال کو امانت کے بجائے ذاتی طاقت سمجھنا اور قواعد و اخلاق سے

آزاد معیشت۔ اسلام کی معاشی تعلیمات کا بنیادی نکتہ یہی ہے کہ مال اللہ کی امانت ہے، اس میں دوسروں کا حق ہے، اور کمانے و خرچ کرنے دونوں میں حلال و حرام کی حدیں موجود ہیں۔ اسی بنیاد سے ان مسائل کا حل نکلتا ہے۔

جدید مسائل کی نشاندہی: خاندانی و سماجی مسائل

دوسری قسم خاندانی اور سماجی مسائل کی ہے۔ خاندانی نظام کمزور ہو رہا ہے: شادیوں میں تاخیر اور فضول رسوم و اخراجات، طلاق کی شرح میں اضافہ، والدین کی خدمت میں کوتاہی اور بچوں کی تربیت میں وقت کی کمی نمایاں مسائل ہیں۔ خواتین کو وراثت میں حق نہ دینا ہمارے معاشرے کی ایک پرانی مگر مسلسل بیماری ہے جس کی مذمت قرآن نے واضح الفاظ میں کی ہے۔ منشیات نوجوان نسل کو تباہ کر رہی ہے اور موبائل و سوشل میڈیا کا بے جا استعمال وقت، تعلقات اور ذہنی صحت کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ تیسرے درجے کے مسائل میں ماحولیاتی آلودگی، پانی کی کمی، بڑھتی آبادی کے مسائل اور شہری زندگی کے دباؤ شامل ہیں۔ ان سب مسائل میں مشترک بات یہ ہے کہ ان کا حل صرف قانون سے نہیں نکلتا؛ ان میں اخلاق، خاندان، تعلیم اور مذہبی شعور سب کو کردار ادا کرنا پڑتا ہے، اور یہی وہ میدان ہے جہاں اسلامی تعلیمات کا فریم ورک دیگر نظاموں سے ممتاز نظر آتا ہے کیونکہ یہ انسان کے باطن کو بھی مخاطب کرتا ہے۔

شرعی حل کا فریم ورک: اصول و مقاصد

اسلامی تعلیمات کا فریم ورک چند بڑے ستونوں پر قائم ہے۔ پہلا ستون قرآن و سنت کے قطعی اصول ہیں جن میں تبدیلی نہیں ہوتی، جیسے عدل، امانت، سود و جوئے کی حرمت، ظلم کی ممانعت اور حقوق العباد کی پاسداری۔ دوسرا ستون مقاصدِ شریعت ہے؛ علماء نے شریعت کے بڑے مقاصد میں دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کو شمار کیا ہے۔ کوئی بھی نیا مسئلہ آئے تو دیکھا جاتا ہے کہ کون سا حل ان مقاصد کی حفاظت کرتا ہے اور کون سا ان کے خلاف جاتا ہے۔ تیسرا ستون اجتہاد و قیاس ہے، جس کے ذریعے مستند علماء نئی صورت کو اسی جیسی پرانی صورت کے اصول پر منطبق کرتے ہیں۔ چوتھا ستون مشاورت اور اجتماعی کوشش ہے: فقہ اکیڈمیوں اور اہلِ علم کی مجلسوں میں ماہرینِ معیشت،

طب اور ٹیکنالوجی کے ساتھ مل کر فیصلے ہوتے ہیں۔ پانچواں ستون تدریج اور حکمت ہے؛ معاشرے کی تبدیلی میں زبردستی کے بجائے تعلیم، تربیت اور قابلِ عمل متبادل فراہم کرنا اسلامی منہج کا حصہ ہے۔ یہ فریم ورک مسائل کو نہ دین سے باہر کرتا ہے نہ ہر نئی چیز کو بغیر جانچ کے حرام قرار دیتا ہے۔

جدول 1: جدید مسئلہ اور اسلامی فریم ورک سے رہنمائی

جدید مسئلہ	اسلامی اصول	عملی سمت
غربت و بے روزگاری	زکوٰۃ، صدقات، محنت کی عزت	خود کفالت کے منصوبے، ہنر کی تعلیم
سودی قرضوں کا جال	سود کی حرمت، قرضِ حسن کی فضیلت	بے سود قرضے، اسلامی مالی ادارے
خواتین کی وراثت سے محرومی	قرآنی حصوں کی قطعی تعیین	قانونی و دینی آگاہی، حصہ کی ادائیگی
منشیات	عقل و جان کی حفاظت، نشے کی حرمت	علاج، خاندانی نگرانی، متبادل سرگرمیاں
کرپشن و رشوت	امانت و عدل، حرام کمائی کی ممانعت	احتساب، شفاف نظام، اخلاقی تربیت

اطلاق کی مثالیں: معاشی مسائل کا حل

اس فریم ورک کے اطلاق کی پہلی مثال معاشی مسائل ہیں۔ غربت کے حل کے لیے اسلام نے زکوٰۃ و عشر کا لازمی نظام دیا، صدقات و اوقاف کی ترغیب دی اور محنت کو عبادت کا درجہ دیا؛ آج کی زبان میں یہ سوشل سیفٹی نیٹ ہے، مگر اخلاقی بنیاد کے ساتھ۔ عملی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ کو خود کفالت کے منصوبوں میں لگایا جائے، بے روزگار نوجوان کو ہنر سکھایا جائے اور چھوٹے کاروبار کے لیے بے سود یا شراکت پر مبنی سرمایہ فراہم کیا جائے۔ سود کے مسئلے میں اسلام صرف ممانعت نہیں کرتا بلکہ متبادل بھی دیتا ہے: مضاربہ و مشارکہ جیسی شراکت داریاں، قرضِ حسن، اور اسلامی بینکاری کے وہ ماڈل جن کی نگرانی مستند شرعی بورڈ کریں۔ ڈیجیٹل اثاثوں جیسے نئے مسائل پر دنیا بھر میں علماء کی بحث

جاری ہے؛ طالب علم کے لیے درست طرز یہ ہے کہ وہ کسی سنی سنائی رائے پر عمل کرنے کے بجائے مستند دار الافتاء کی طرف رجوع کرے، کیونکہ نئی صورتوں میں فتویٰ اجتماعی تحقیق چاہتا ہے۔

اطلاق کی مثالیں: خاندانی، اخلاقی و ماحولی مسائل

خاندانی مسائل میں اسلامی تعلیمات نکاح کو آسان بنانے، فضول رسم و رواج ترک کرنے، میاں بیوی کے باہمی حقوق، والدین کی خدمت اور اولاد کی تربیت پر زور دیتی ہیں؛ ان پر عمل سے طلاق اور خاندانی انتشار کی شرح کم ہو سکتی ہے۔ وراثت کے مسئلے میں حصص بالکل واضح ہے: قرآن نے حصے مقرر کر دیے ہیں، لہٰذا بیٹیوں اور بہنوں کو حصہ دینا دینی فریضہ ہے اور اس سے انکار ظلم؛ اس کے لیے معاشرتی آگاہی مہم اور قانونی مدد دونوں کی ضرورت ہے۔ منشیات کے خلاف اسلام کا اصول نشے کی حرمت اور عقل کی حفاظت ہے؛ اس کا عملی ترجمہ علاج مراکز، خاندان کی توجہ اور نوجوانوں کے لیے صحت مند مصروفیات ہیں۔ ماحول کے میدان میں اسلامی تعلیمات میں صفائی، درخت لگانے کی ترغیب، پانی کے اسراف کی ممانعت اور زمین کی آبادکاری جیسے اصول موجود ہیں جنہیں آج کی ماحولیاتی پالیسیوں سے جوڑا جا سکتا ہے۔ ان تمام مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی حل صرف کتابی نعرہ نہیں بلکہ تعلیم، قانون، خاندان اور فرد کی اصلاح کا مجموعہ ہے۔

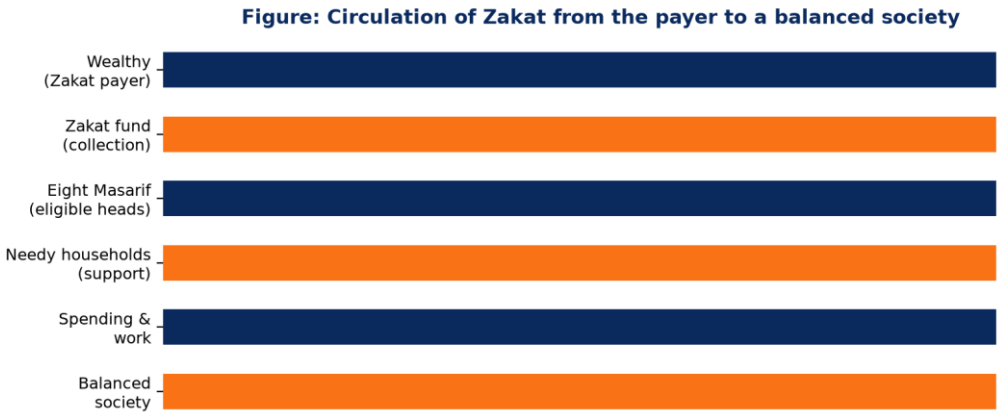

شکل 1: فلاحی نظام کی گردش—اصول سے عمل تک معاشرتی اثر

قابلیتِ عمل کی شرطیں

یہ دعویٰ کہ اسلامی فریم ورک ہر دور میں قابلِ عمل ہے، چند شرائط کے ساتھ درست ہے۔ پہلی شرط علم کی ہے: جب تک عام مسلمان اپنے دین کے بنیادی اصولوں سے واقف نہ ہو وہ انہیں زندگی میں لاگو نہیں کر سکتا۔ دوسری شرط نیت اور کردار کی ہے: نظام کاغذ پر اچھا ہو مگر چلانے والے بے ایمان ہوں تو نتائج نہیں ملتے۔ تیسری شرط اداروں کی ہے: زکوٰۃ، اوقاف، تعلیم اور انصاف کے ادارے منظم اور شفاف ہوں تبھی عمل میں ڈھلتے ہیں۔ چوتھی شرط وقت کے تقاضوں کی فہم ہے: ہر مسئلے میں اہلِ علم کے ساتھ موضوع کے ماہرین کی رائے لینا ضروری ہے، ورنہ حل یک طرفہ رہ جاتا ہے۔ پانچویں شرط تدریج اور برداشت ہے: معاشرتی تبدیلی راتوں رات نہیں آتی اور نہ ہی ہر اختلاف کو لڑائی بنانا چاہیے۔ ان شرائط کے ساتھ یہ فریم ورک آج بھی اتنا ہی زندہ ہے جتنا اپنے ابتدائی دور میں تھا کیونکہ اس کی بنیاد ناقابلِ تبدیل انسانی فطرت اور الٰہی اصولوں پر ہے۔ اس گائیڈ میں پیش کی گئی آراء تعلیمی خلاصہ ہیں؛ باضابطہ شرعی فیصلے ہمیشہ مستند اداروں اور علماء کا حق ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ جدید معاشرتی مسائل میں غربت، بے روزگاری، سودی قرضے، ڈیجیٹل معیشت کی نئی صورتیں، خاندانی انتشار، وراثت سے محرومی، منشیات، کرپشن اور ماحولیات نمایاں ہیں۔ اسلامی تعلیمات ان کے حل کے لیے قرآن و سنت کے اصول، مقاصدِ شریعت، اجتہاد، مشاورت اور تدریج پر مشتمل جامع فریم ورک دیتی ہیں، جس کا اطلاق زکوٰۃ کے فلاحی نظام سے لے کر بے سود مالیات، خاندانی اصلاح اور ماحولیاتی ذمہ داری تک ہر میدان میں ممکن ہے۔ شرط علم، کردار، منظم اداروں اور اہلِ علم و ماہرین کی مشترکہ کوشش ہے۔ یہی جامعیت اس فریم ورک کو ہر دور کے لیے قابلِ عمل بناتی ہے۔

سوال نمبر 3: اسلامی معیشت کے اصول اور ان کی اہمیت (20 نمبر)

اسلامی معیشت کے اصول عدل، دیانت اور مساوات پر مبنی ہیں جو ایک مستحکم معاشی نظام کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اسلامی معیشت کے اصولوں کو بیان کریں اور ان کی اہمیت کو واضح کریں۔

تعارف

معیشت انسانی زندگی کا وہ شعبہ ہے جس سے روٹی، روزگار، کاروبار اور ریاستی نظام سب جڑے ہیں۔ دنیا کے دو بڑے معاشی تجربے سرمایہ داری اور اشتراکیت اپنے اپنے مسائل کے ساتھ سامنے آ چکے ہیں: ایک میں آزادی کے نام پر استحصال اور ارتکاز پیدا ہوا، دوسرے میں برابری کے نام پر آزادی اور محنت کا جذبہ مجروح ہوا۔ اسلامی معیشت ان دونوں کے بیچ میں ایک الگ شناخت رکھتی ہے جس کی بنیاد وحی کے دیے ہوئے اصولوں پر ہے۔ اس سوال میں جن تین اصولوں کا ذکر ہے یعنی عدل، دیانت اور مساوات، وہ اس نظام کا خلاصہ ہیں، مگر ان کے ساتھ کئی اور اصول بھی جڑے ہیں جنہیں بیان کرنا ضروری ہے۔ اس جواب میں ہم اسلامی معیشت کے بڑے اصولوں کو ترتیب سے بیان کریں گے اور پھر واضح کریں گے کہ ان کی اہمیت کیا ہے اور یہ کس طرح ایک مستحکم معاشی نظام کی بنیاد بنتے ہیں۔

بنیادی تصور: ملکیت، امانت اور خلافت

اسلامی معیشت کا پہلا اصول اس کا تصورِ ملکیت ہے۔ اسلام ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے، محنت اور جائز تجارت سے حاصل شدہ مال کو انسان کا حق مانتا ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اصل مالک اللہ ہے اور انسان اس کا امین و خلیفہ ہے۔ اس دوہرے تصور سے دو نتیجے نکلتے ہیں: ایک یہ کہ انسان اپنے مال میں مکمل بے لگام نہیں، اس پر حلال و حرام کی حدیں اور مستحقین کے حقوق ہیں؛ دوسرا یہ کہ ریاست یا معاشرہ کسی کی جائز ملکیت کو بلاوجہ نہیں چھین سکتا۔ یہی توازن اسلامی معیشت کو سرمایہ داری کی بے قید آزادی اور اشتراکیت کی جبری ضبطی دونوں سے الگ کرتا ہے۔ وراثت کے نظام سے مال نسل در نسل چند ہاتھوں میں بھی نہیں رہتا بلکہ وارثوں میں تقسیم ہو کر پھیلتا رہتا ہے۔ زکوٰۃ، عشر، صدقات اور کفارات اسی تصور کی عملی صورتیں ہیں جن سے ملکیت کا حق معاشرتی ذمہ داری کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔

اصلِ اول: عدل

اسلامی معیشت کا پہلا بڑا اصول عدل ہے۔ عدل کا مطلب ہے ہر ایک کو اس کا پورا حق دینا اور کسی پر زیادتی نہ کرنا۔ معاشی عدل کی عملی صورتیں یہ ہیں: مزدور کو اس کی مزدوری پوری اور بروقت ملنا، تاجر کا ناپ تول میں کمی نہ کرنا، خریدار کو عیب چھپا کر چیز نہ بیچنا، قیمتوں میں ناجائز مداخلت اور ذخیرہ اندوزی سے پرہیز، اور کمزور فریق کے ساتھ جبر نہ کرنا۔

قرآن مجید نے ناپ تول میں انصاف پر خاص زور دیا ہے اور اس میں کمی کرنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ معاشی عدل کا ایک بڑا مظہر زکوٰۃ و عشر کا نظام ہے جو طاقتور سے کمزور کی طرف باقاعدہ منتقلی کو یقینی بناتا ہے۔ ریاست کی سطح پر عدل کا تقاضا ہے کہ قانون امیر و غریب کے لیے برابر ہو، ٹیکس اور محصولات میں استطاعت کا لحاظ ہو اور عوامی وسائل کی تقسیم شفاف ہو۔ جہاں معاشی عدل نہ ہو وہاں امارت بڑھتی ہے مگر سکون ختم ہو جاتا ہے، اور سکون کے بغیر کوئی معیشت مستحکم نہیں رہ سکتی۔

اصلِ دوم: دیانت

دوسرا اصول دیانت ہے۔ دیانت سے مراد امانت داری، سچائی اور وعدے کی پابندی ہے۔ اسلام میں تجارت کو محض نفع کا کھیل نہیں بلکہ ایک امانت سمجھا گیا ہے؛ سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہونے کی بشارت کا مستحق بتایا گیا ہے۔ دیانت کی عملی صورتیں ہیں: مال کی درست صفات بیان کرنا، کھوٹا مال نہ بیچنا، قرض اور ادھار کے معاملات لکھت میں رکھنا جیسا کہ قرآن نے طویل آیت میں رہنمائی دی ہے، کمیشن اور ایجنسی میں دونوں فریقوں سے سچ بولنا، اور ملازمت میں وقت اور کام کی امانت نبھانا۔ دیانت کا معاشی فائدہ یہ ہے کہ اس سے لین دین میں اعتماد پیدا ہوتا ہے، اور اعتماد ہی بازار کی اصل سرمایہ کاری ہے؛ جہاں دیانت ختم ہو جائے وہاں ہر معاملے پر نگرانی اور مقدموں کا خرچ بڑھ جاتا ہے اور کاروبار سست پڑ جاتا ہے۔ جدید معیشت میں آڈٹ، ریکارڈ اور معاہدوں کے نظام دراصل اسی دیانت کو ادارتی شکل دینے کی کوششیں ہیں، مگر اسلام اسے قانون سے پہلے ضمیر میں پیدا کرتا ہے۔

اصلِ سوم: مساوات اور سماجی ذمہ داری

تیسرا اصول مساوات ہے، جس کا مفہوم پچھلے سوالات میں بھی آیا ہے: ہر انسان بنیادی ضروریات، عزت اور موقع کی حد تک برابر ہے۔ اسلامی معیشت مساوات کو زکوٰۃ، صدقۂ فطر، عشر، خراج اور اوقاف جیسے اداروں سے نافذ کرتی ہے۔ مساوات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب کی آمدن برابر کر دی جائے؛ یہ مطلب ہے کہ کوئی بھوکا نہ سوئے، علاج سے محروم نہ رہے اور اس کے بچے تعلیم سے کٹ نہ جائیں۔ اس اصول کے ساتھ سماجی ذمہ داری کا تصور جڑا ہے: مال دار پر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اخلاقی و دینی ذمہ داری ہے، اور کاروباری اداروں سے بھی توقع ہے کہ وہ اپنے ملازمین اور ماحول کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔ اسلام نے آزاد تجارت کی اجازت دی ہے مگر اس کے ساتھ احتکار یعنی مصنوعی

قلت پیدا کر کے نفع کمانے کی ممانعت کی ہے، اور اسی طرح سود، جوا، دھوکا اور نامعلوم معاملے والی خرید و فروخت پر پابندیاں لگائی ہیں تاکہ معیشت قیاس آرائی اور استحصال کے بجائے حقیقی پیداوار پر کھڑی ہو۔

جدول 1: اسلامی معیشت کے اصول اور ان کے تقاضے

اصول	مفہوم	عملی تقاضا
عدل	ہر ذی حق کو پورا حق	درست ناپ تول، پوری مزدوری، شفاف تقسیم
دیانت	امانت، سچائی اور عہد کی پابندی	درست بیعانہ، لکھت پڑھت، عیب کی وضاحت
مساوات	بنیادی حق و وقار میں برابری	زکوٰۃ و فطر سے کمزور کی کفالت
حلال و طیب	کمائی اور خرچ کی پاکیزگی	سود، جوا، دھوکے اور حرام سے اجتناب
گردشِ دولت	مال چند ہاتھوں میں نہ سمٹے	تجارت و سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی

دیگر اہم اصول

ان بڑے اصولوں کے علاوہ اسلامی معیشت کے چند اور اصول بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک اصول حلال و طیب ہے: کمائی بھی حلال ہو اور جو کھایا جائے وہ پاکیزہ بھی ہو؛ حرام ذرائع سے حاصل شدہ مال کو اسلام مالِ خبیث قرار دیتا ہے۔ دوسرا اصول اسراف اور کنجوسی دونوں سے بچ کر میانہ روی ہے؛ خرچ میں توازن ہی گھر اور ریاست دونوں کی مالی صحت کی ضمانت ہے۔ تیسرا اصول محنت کی عزت ہے: ہاتھ کی کمائی کو افضل قرار دیا گیا ہے اور بھیک و بے کاری کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ چوتھا اصول تعاون اور اجتماعی فلاح ہے، یعنی معاشی سرگرمیاں اس طرح ہوں کہ مجموعی معاشرہ نفع پائے۔ پانچواں اصول احسان ہے، یعنی قانون کی کم از کم حد سے آگے بڑھ کر حسنِ سلوک کرنا، جیسے تنگ

دست مقروض کو مہلت دینا یا معاف کر دینا جس کی قرآن نے بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ یہ اصول مل کر ایک ایسی معیشت بناتے ہیں جو کارکردگی کے ساتھ اخلاق کو بھی ساتھ رکھتی ہے۔

اہمیت: استحکام کی بنیاد کیسے بنتے ہیں

اب اہمیت کا سوال: یہ اصول مستحکم معاشی نظام کی بنیاد کیسے رکھتے ہیں؟ پہلی بات یہ کہ عدل سے اعتماد پیدا ہوتا ہے اور اعتماد معاشی استحکام کی روح ہے؛ سرمایہ کار اسی معاشرے میں سرمایہ لگاتا ہے جہاں اس کے حق کی حفاظت ہو۔ دوسری بات یہ کہ دیانت سے لین دین میں اخراجات کم ہوتے ہیں اور بازار میں رفتار آتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ مساوات کے ادارے یعنی زکوٰۃ وغیرہ معاشرے کے کمزور طبقے کو کھپت اور پیداوار میں شریک رکھتے ہیں، جس سے سماجی بے چینی اور جرائم کم ہوتے ہیں اور یہ سیاسی استحکام بھی معیشت کے لیے ضروری ہے۔ چوتھی بات یہ کہ سود و جوئے کی ممانعت معیشت کو ان مصنوعی بلبلوں اور قرض کے بحرانوں سے بچاتی ہے جنہوں نے جدید دنیا کو بار بار مالیاتی بحرانوں میں دھکیلا ہے۔ پانچویں بات یہ کہ یہ اصول فرد کی داخلی نگرانی سے چلتے ہیں؛ نظام صرف پولیس اور عدالت کے سہارے نہیں بلکہ ضمیر و شعور کے سہارے بھی قائم رہتا ہے، اس لیے اس کی لاگت کم اور پائیداری زیادہ ہوتی ہے۔ یقیناً عمل درآمد کا انحصار افراد اور اداروں پر ہے، مگر اصولی سطح پر یہ بنیادیں آج کے معاشی ماہرین کو بھی قابلِ توجہ نظر آتی ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی معیشت کے اصولوں کی عمارت اللہ کی ملکیت و انسانی امانت کے تصور پر کھڑی ہے اور اس کے بڑے ستون عدل، دیانت اور مساوات ہیں، جن کے ساتھ حلال و طیب، میانہ روی، محنت کی عزت، تعاون اور احسان جیسے اصول مل کر اسے مکمل کرتے ہیں۔ ان کی اہمیت یہ ہے کہ یہ تجارت کی آزادی کو استحصال سے، ملکیت کے حق کو خود غرضی سے اور مساوات کو جبر سے بچاتے ہوئے ایک ایسا معاشی نظام تشکیل دیتے ہیں جس میں اعتماد، تحفظ اور سماجی سکون پیدا ہوتا ہے۔ اسی توازن اور اخلاقی بنیاد کی وجہ سے یہ اصول ایک مستحکم معاشی نظام کی پائیدار بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

سوال نمبر 4: صدقۂ فطر کے مقاصد اور فوائد (20 نمبر)

صدقۂ فطر ایک اہم فریضہ ہے جو معاشرے میں اخوت اور ہمدردی کو فروغ دیتا ہے اور مستحق افراد کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ صدقۂ فطر کے مقاصد کو بیان کریں اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالیں۔

تعارف

رمضان المبارک عبادت، صبر اور ہمدردی کا مہینہ ہے اور اس کے اختتام پر شریعت نے ایک ایسی عبادت رکھی ہے جو پورے مہینے کی تربیت کو معاشرتی عمل میں بدل دیتی ہے؛ اسے صدقۂ فطر یا زکوٰۃ الفطر کہا جاتا ہے۔ یہ ہر اس مسلمان پر واجب ہے جس کے پاس عید کے دن اپنی اور اپنے اہل کی بنیادی ضرورت سے زائد استطاعت ہو، اور اسے عید کی نماز سے پہلے مستحقین تک پہنچانا ہوتا ہے تاکہ وہ بھی عید کی خوشی میں شریک ہو سکیں۔ اس جواب میں ہم صدقۂ فطر کا تعارف و حکم بیان کرنے کے بعد اس کے مقاصد پر تفصیل سے گفتگو کریں گے اور پھر اس کے روحانی، سماجی اور معاشی فوائد پر روشنی ڈالیں گے۔ جزوی مقداروں اور ادائیگی کے طریقوں میں فقہی آراء کی تفصیل موجود ہے؛ یہاں عمومی اصول بیان کیے گئے ہیں اور مقامی عمل کے لیے مستند علماء کی رہنمائی ہی معیار ہونی چاہیے۔

صدقۂ فطر کا مفہوم اور حکم

صدقۂ فطر اس مقررہ مقدار کو کہتے ہیں جو رمضان کے اختتام پر ہر صاحبِ استطاعت مسلمان اپنی طرف سے اور اپنے زیرِ کفالت افراد کی طرف سے غریبوں کو دیتا ہے۔ مشہور حدیث میں اس کی مقدار ایک صاع بیان ہوئی ہے جو اس دور کے اہم غذائی اجناس جیسے کھجور، جو وغیرہ کے حساب سے متعین ہوتی تھی؛ اس کا موجودہ وزن اور نقد قیمت ہر علاقے میں اہلِ علم مقرر کر کے اعلان کرتے ہیں، کیونکہ مقصد خوراک کی فراہمی ہے۔ اس صدقے کی دو نمایاں خصوصیات ہیں: ایک یہ کہ یہ افراد کی تعداد کے حساب سے واجب ہوتا ہے، اس میں چھوٹے بچے بھی شامل ہیں جن کی طرف سے ان کا سرپرست ادا کرتا ہے؛ دوسرا یہ کہ اس کی ادائیگی کا وقت متعین ہے یعنی عید کی نماز سے پہلے، اور بلا

عذر تاخیر کو پسند نہیں کیا گیا۔ یہ صدقہ زکوۃ سے الگ فریضہ ہے؛ زکوۃ مال پر سالانہ فرض ہے جبکہ صدقۂ فطر افراد پر رمضان کے اختتام پر واجب ہوتا ہے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی سمت میں کام کرتا ہے یعنی مستحق کی کفالت اور دینے والے کی پاکیزگی۔

مقصدِ اول: روزوں کی پاکیزگی اور تکمیل

صدقۂ فطر کا پہلا اور سب سے مشہور مقصد روزے کی پاکیزگی ہے۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بیان میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو فرض فرمایا تاکہ روزہ لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاک ہو جائے اور مساکین کو کھانا میسر آئے۔ رمضان میں انسان پوری احتیاط کے باوجود بعض کوتاہیوں کا شکار ہو جاتا ہے: زبان سے کوئی نامناسب بات نکل گئی، غیبت یا فضول گفتگو ہو گئی، عبادت میں وہ خشوع نہ رہا جو ہونا چاہیے تھا۔ صدقۂ فطر ان کوتاہیوں کی تلافی کی علامتی اور عملی صورت ہے، جیسے نماز میں سہو کے سجدے کوتاہی کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس مقصد سے دینے والے کی روحانی تربیت ہوتی ہے کہ عبادت کا اختتام بھی اللہ کے بندوں کی خدمت پر ہو اور انسان رمضان کے بعد غرور کے بجائے شکر اور عاجزی کے ساتھ نکلے۔ جو صدقہ اس احساس کے ساتھ دیا جائے وہ محض رسم نہیں رہتا بلکہ پورے مہینے کی عبادت کی مہر بن جاتا ہے۔

مقصدِ دوم: مساکین کی خوراک اور عید میں شمولیت

صدقۂ فطر کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ عید کے دن کوئی مسکین کھانے سے محروم نہ رہے۔ عید خوشی کا دن ہے مگر غریب کے لیے یہ دن اس وقت دکھ کا بھی بن سکتا ہے جب اس کے بچے دوسروں کو نئے کپڑے اور بہتر کھانا دیکھیں اور اپنے گھر فاقہ ہو۔ شریعت نے اس نفسیاتی اور سماجی حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر حکم دیا کہ صدقۂ فطر نمازِ عید سے پہلے پہنچا دیا جائے تاکہ مستحق اس دن سوال کرنے سے بے نیاز ہو جائے اور باعزت طور پر اپنے گھر کی خوشی منا سکے۔ اس مقصد سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام خوشی کو بھی اجتماعی سمجھتا ہے؛ ایسی خوشی جو صرف مال دار کے گھر تک محدود ہو وہ اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ اسی لیے صدقۂ فطر کو بسا اوقات خوراک کی صورت میں دینا اس کے اصل مقصد کے

قریب قرار دیا جاتا ہے، جبکہ نقد رقم دینے کی اجازت اور افادیت پر بھی بہت سے علماء کی آراء موجود ہیں کیونکہ مستحق اپنی ضرورت کے مطابق اس سے زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتا ہے؛ اس مسئلے میں بھی مقامی اہلِ علم کی ہدایت پر عمل کرنا چاہیے۔

مقصدِ سوم: اخوت، ہمدردی اور شکر کی تربیت

تیسرا مقصد اخوت و ہمدردی کی تربیت ہے۔ رمضان بھر انسان بھوک پیاس کا تجربہ کر کے غریب کی حالت کو جسمانی طور پر محسوس کرتا ہے؛ صدقۂ فطر اسی احساس کو عملی شکل دیتا ہے۔ جب صاحبِ استطاعت شخص ہر فردِ خانہ کی طرف سے صدقہ نکالتا ہے تو اسے یہ موقع ملتا ہے کہ میرے پڑوس یا محلے میں کس گھر کو عید کی تیاری میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ یوں معاشرے میں ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی پیدا ہوتی ہے اور رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ شکر کی تربیت بھی ہے: رمضان کی تکمیل پر اللہ نے عبادت کی توفیق دی، اس کے شکر کا بہترین اظہار یہی ہے کہ اس کی نعمت میں دوسروں کو شریک کیا جائے۔ اس مقصد کی موجودگی میں یہ صدقہ کسی مجبوری کا ٹیکس نہیں رہتا بلکہ دلی مسرت کا عمل بن جاتا ہے، اور جب خیرات مسرت کے ساتھ دی جائے تو اس کے سماجی اثرات کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔

فوائد: روحانی و اخلاقی

صدقۂ فطر کے روحانی فوائد میں سب سے پہلا فائدہ روزوں کی قبولیت کی امید اور عبادت کی پاکیزگی ہے جس کا ذکر اوپر آیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کو فیاضی کی عادت ڈالتا ہے؛ چھوٹی مقدار سے آغاز کر کے دینے کا مزاج بنتا ہے جو آگے بڑی زکوٰۃ و صدقات کی بنیاد بنتا ہے۔ تیسرا فائدہ بچوں کی تربیت ہے؛ جب بچے دیکھتے ہیں کہ والدین ان کی طرف سے بھی صدقہ نکال رہے ہیں تو ان کے ذہن میں اوائل عمر ہی سے یہ تصور بیٹھ جاتا ہے کہ ہماری خوشی میں غریب کا حصہ ہے۔ چوتھا اخلاقی فائدہ یہ ہے کہ یہ صدقہ سال میں ایک بار پوری برادری کو متحرک کرتا ہے؛ جہاں زکوٰۃ اکثر صاحبِ نصاب تک محدود ہے وہاں صدقۂ فطر میں تقریباً ہر صاحبِ استطاعت گھرانہ شریک ہوتا ہے، اس لیے اس کا اخلاقی پیغام بہت وسیع پیمانے پر پھیلتا ہے۔ اس طرح رمضان کی انفرادی محنت ایک اجتماعی اخلاقی لہر میں بدل جاتی ہے۔

فوائد: سماجی و معاشی

سماجی فوائد میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ عید کے موقع پر معاشرے میں محرومی کا احساس کم سے کم ہو جاتا ہے۔ مستحق خاندان بچوں کے لیے کپڑے اور گھر کے لیے راشن خرید سکتے ہیں، جس سے عید سب کی عید بن جاتی ہے اور طبقاتی دوری میں کمی آتی ہے۔ معاشی اعتبار سے دیکھیں تو عید سے پہلے کے دنوں میں بہت بڑی رقم بیک وقت غریب گھرانوں کے ہاتھوں میں آتی ہے جس سے ان کی فوری کھپت پوری ہوتی ہے اور مقامی بازاروں خصوصاً راشن، کپڑے اور چھوٹی دکانوں کا کاروبار تیز ہوتا ہے؛ یوں یہ صدقہ نچلی سطح کی معیشت کو بھی حرکت دیتا ہے۔ ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس بروقت امداد سے غریب کو عید کے موقع پر سود پر قرض لینے یا کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے نجات ملتی ہے، جو اس کی عزتِ نفس کی حفاظت ہے۔ جہاں اجتماعی نظام سے یہ صدقہ منظم انداز میں مستحقین کی فہرست بنا کر تقسیم کیا جائے وہاں اس کے فوائد اور بھی بڑھ جاتے ہیں کیونکہ ہر محلے کے حقیقی مستحق تک رسائی یقینی بن جاتی ہے۔

جدول 1: صدقۂ فطر کے مقاصد اور فوائد

پہلو	مقصد / فائدہ	اثر
روحانی	روزے کی لغو باتوں سے پاکیزگی	عبادت کی تکمیل و قبولیت کی امید
سماجی	مسکین کو عید کے دن کھانا و سہولت	محرومی کے احساس میں کمی
اخلاقی	اخوت، ہمدردی اور شکر کی تربیت	دینے کا مزاج اور باہمی محبت
معاشی	بروقت نقد / خوراک کی منتقلی	مقامی بازار میں حرکت، قرض سے نجات

عملی توجہات

اس فریضے کے فوائد اسی وقت مکمل ملتے ہیں جب چند عملی باتوں کا لحاظ رکھا جائے: صدقہ وقت پر یعنی عید کی نماز سے پہلے دیا جائے ورنہ عید کی شمولیت والا مقصد کمزور ہو جاتا ہے؛ مقامی اعلان کردہ مقدار سے کم نہ دیا جائے؛ مستحق کی تحقیق کی جائے اور عزت کے ساتھ دیا جائے، تصویر کشی یا مشہوری سے ہر قیمت پر بچا جائے کیونکہ اس سے صدقے کا روحانی مقصد مجروح ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صدقۂ فطر اور لوپکا تبادل نہیں؛ دونوں الگ فریضے ہیں اور جس پر دونوں واجب ہوں اسے دونوں ادا کرنے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ اس صدقے کا اصل سبق سال بھر کی زندگی کے لیے ہے: جس نے عید کے دن غریب کو یاد رکھا اسے چاہیے کہ باقی دنوں میں بھی اس کی خبر گیری رکھے، تبھی صدقۂ فطر کی تربیت مکمل ہوتی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ صدقۂ فطر کے تین بڑے مقاصد ہیں: روزے کی کوتاہیوں سے پاکیزگی اور اس کی تکمیل، مساکین کو عید کے دن خوراک و سہولت فراہم کر کے خوشی میں شریک کرنا، اور معاشرے میں اخوت، ہمدردی اور شکر کی تربیت۔ اس کے فوائد روحانی بھی ہیں، سماجی بھی اور معاشی بھی: عبادت میں خلوص بڑھتا ہے، بچوں کی عملی تربیت ہوتی ہے، طبقاتی دوری کم ہوتی ہے، مستحق کی عزتِ نفس محفوظ رہتی ہے اور مقامی معیشت کو بروقت حرکت ملتی ہے۔ اس لیے یہ چھوٹی سی مقدار والا فریضہ اثرات کے اعتبار سے بہت بڑا ہے اور رمضان کی پوری تربیت کا حسین اختتام ہے۔

سوال نمبر 5: عشر اور خراج کے نظام کی اہمیت (20 نمبر)

عشر اور خراج اسلامی مالیاتی نظام کے اہم اجزاء ہیں جو زرعی پیداوار اور زمین سے متعلق مالی ذمہ داریوں کو منظم کرتے ہیں۔ عشر اور خراج کے نظام کی اہمیت کو اجاگر کریں۔

تعارف

زراعت انسانی تہذیب کی بنیاد ہے؛ روٹی اسی سے ملتی ہے اور دیہی آبادی کا ذریعۂ معاش بھی یہی ہے۔ اس لیے ہر مالیاتی نظام کو زمین اور اس کی پیداوار کے بارے میں کوئی نہ کوئی ضابطہ بنانا پڑتا ہے۔ اسلامی مالیاتی نظام نے اس کے لیے دو شعبہ وار دیے ہیں: عشر اور خراج۔ عشر مسلم کسان کی زرعی پیداوار پر لاگو ہونے والا شرعی محصول ہے جس کا تعلق زکوٰۃ کے باب سے ہے، جبکہ خراج تاریخی اسلامی ریاست میں زمین پر عائد کیا جانے والا مالی نظام تھا جس کا تعلق بیت المال اور عوامی محصولات سے تھا۔ دونوں نے مل کر کئی صدیوں تک زرعی معیشت کو منظم رکھا اور ریاستی خزانے کو آمدن بھی فراہم کی۔ اس جواب میں ہم دونوں کا مفہوم اور باہمی فرق بیان کرنے کے بعد ان کے نظام کی اہمیت کو مختلف پہلوؤں سے اجاگر کریں گے۔ یہ بحث تاریخی و تعلیمی ہے؛ آج کے کسی ملک میں ان کا عین وہی اطلاق ایک ریاستی و قانونی مسئلہ ہے جس کا فیصلہ اس نظام کے اندر رہی ہوتا ہے۔

عشر کا مفہوم اور ضابطہ

عشر کے لغوی معنی دسواں حصہ ہیں۔ شرعی اصطلاح میں یہ مسلمان کی ملکیت والی اس زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے جو عشری زمین کہلاتی ہے۔ اس کی شرح سیرابی کے طریقے سے جڑی ہے: جو زمین بارش، چشموں یا بہتے پانی جیسے قدرتی ذرائع سے بغیر خاص خرچ کے سیراب ہو اس کی پیداوار پر دسواں حصہ یعنی دس فیصد ہے، اور جو زمین کنویں، ٹیوب ویل یا نہر کے خریدے ہوئے پانی جیسے خرچ والے ذرائع سے سیراب ہو اس پر بیسواں حصہ یعنی پانچ فیصد مشہور شرح ہے۔ اس شرح کے فرق میں بڑی حکمت ہے کہ جس کسان کا خرچ زیادہ ہو اس کا محصول کم رکھا گیا ہے تاکہ اس پر دوگنا بوجھ نہ پڑے؛ یہ اسلامی مالیات کے عدل کی خوبصورت مثال ہے۔ عشر کی ادائیگی فصل کی کٹائی کے وقت ہوتی ہے، زکوٰۃ کی طرح اس پر سال گزرنے کی شرط نہیں۔ عشر کے مستحقین وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، کیونکہ فقہاء کی اکثریت کے نزدیک عشر زرعی زکوٰۃ ہی کی ایک صورت ہے۔ نصاب کی تفصیلات مثلاً پانچ وسق کی مقدار کے اطلاق میں فقہی آراء موجود ہیں، اس لیے عملی مسئلے میں اہلِ علم سے رہنمائی مناسب ہے۔

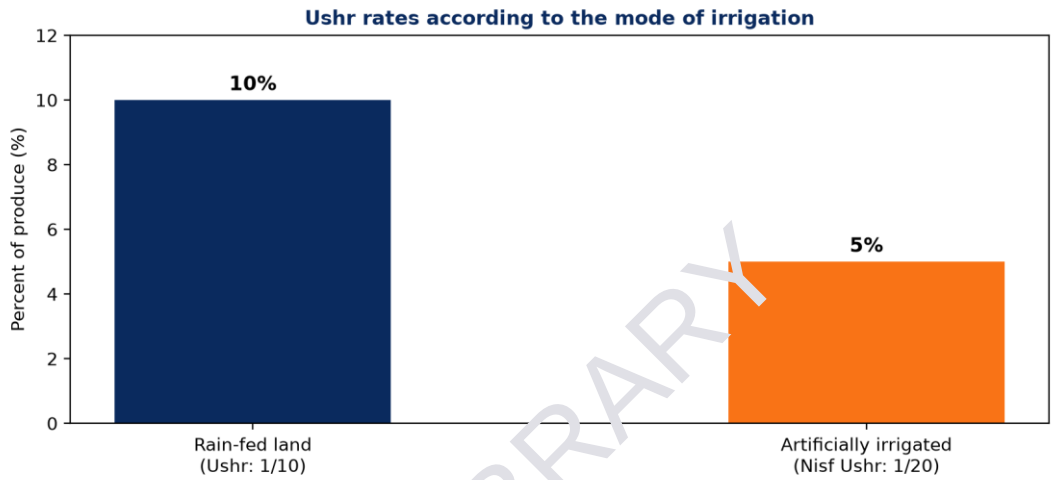

شکل 1: عشر کی شرح — سیرابی کے طریقے کے مطابق دسواں یا بیسواں حصہ

خراج کا مفہوم اور تاریخی ضابطہ

خراج اس محصول کو کہا جاتا ہے جو اسلامی ریاست میں ان زمینوں پر عائد کیا جاتا تھا جو فتح یا معاہدے کے بعد اپنے سابق مالکوں کے پاس رہنے دی گئی تھیں اور خراجی زمین کہلاتی تھیں۔ اس کی مشہور تاریخی تشکیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں عراق و شام کی زمینوں کے بارے میں ہوئی، جہاں ان زمینوں کو سپاہیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے اصل کاشتکاروں کے پاس رہنے دیا گیا اور ان پر باقاعدہ پیمائش کے بعد خراج مقرر کیا گیا۔ خراج کی دو صورتیں تھیں: ایک مقررہ خراج جو زمین کے رقبے اور نوعیت کے حساب سے سالانہ نقد یا جنس میں لیا جاتا تھا، دوسرا تناسبی خراج جو پیداوار کے ایک مقرر تناسب کی صورت میں لیا جاتا تھا۔ اس نظام کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ریاستی آمدن کا ایک مستحکم ذریعہ بن گیا جس سے سرحدوں کی حفاظت، سڑکوں، نہروں اور عوامی فلاح کے اخراجات پورے ہوتے تھے، اور زمین بھی انہی کے پاس رہی جو اسے آباد کرنا جانتے تھے۔

خراج کا تعلق اصلاً ریاستی نظام سے تھا، اس لیے اس کا اطلاق ریاست ہی کی سطح پر ہوتا تھا۔

عشر اور خراج کا باہمی فرق

دونوں کے فرق کو سمجھنا اہمیت کی بحث سے پہلے ضروری ہے۔ عشر کی نوعیت عبادت و زکوٰۃ کی ہے جبکہ خراج کی نوعیت ریاستی محصول کی ہے۔ عشر کا تعلق مالک کے مسلمان ہونے اور پیداوار سے ہے، خراج کا تعلق زمین کی حیثیت سے ہے چاہے کاشتکار کوئی بھی ہو۔ عشر کی شرحیں شریعت سے متعین ہیں یعنی دسواں یا بیسواں حصہ، خراج کی مقدار میں ریاست کو حالات اور زمین کی زرخیزی کے مطابق فیصلہ کرنے کی گنجائش تھی۔ عشر کے مصارف زکوٰۃ کے آٹھ مصارف ہیں، خراج کی آمدن بیت المال میں عوامی مصالح پر خرچ ہوتی تھی۔ عشر فصل در فصل ادا ہوتا ہے جبکہ خراج عموماً سالانہ وصول ہوتا تھا۔ اس فرق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی مالیاتی نظام نے عبادت، سماجی فلاح اور ریاستی مالیات کو الگ الگ مگر مربوط خانوں میں رکھا تھا، اور یہی اس کی وسعت اور اداراتی ذہانت کی دلیل ہے۔ جدید دور میں زمین کے ٹیکس، زرعی ٹیکس اور زکوٰۃ کے قوانین کو سمجھنے میں یہی فرق بنیادی رہنمائی دیتا ہے۔

جدول 1: عشر اور خراج کا موازنہ

پہلو	عشر	خراج
نوعیت	عبادت و زرعی زکوٰۃ	ریاستی محصول
تعلق	مالک و پیداوار سے	زمین کی حیثیت سے
شرح	دسواں حصہ یا بیسواں حصہ	ریاست کی طرف سے مقرر
مصارف	زکوٰۃ کے آٹھ مصارف	بیت المال کے عوامی مصالح
ادائیگی	ہر فصل کی کٹائی پر	عموماً سالانہ

اہمیت: کسان کے ساتھ عدل و سہولت

اس نظام کی پہلی اہمیت کسان کے ساتھ عدل ہے۔ اسلامی نظام میں زرعی محصول کا بوجھ کسان کی استطاعت اور اس کے خرچ کے حساب سے رکھا گیا؛ قدرتی سیرابی پر زیادہ شرح اور مہنگی سیرابی پر کم شرح اسی اصول کی مثال ہے۔ خشک سالی یا فصل کی تباہی کی صورت میں کلاسیکی نظام میں رعایتوں کی گنجائش بھی رکھی گئی تھی تاکہ کسان تباہ حال نہ ہو۔

دوسری اہمیت سہولت ہے: ادائیگی اسی وقت ہوتی ہے جب کسان کے ہاتھ میں فصل آتی ہے، یعنی نقدی کے انتظار یا قرض کی ضرورت کے بغیر جنس ہی سے ادائیگی ممکن ہوتی ہے۔ تیسری اہمیت یہ ہے کہ یہ نظام چھوٹے کاشتکار کو اس کی زمین سے بے دخل نہیں کرتا تھا، کیونکہ مقصد آمدن کے ساتھ زرعی پیداوار اور آبادکاری بھی تھا۔ اس کے برعکس وہ نظام جہاں لگان بھاری اور ناقابلِ برداشت ہو، کسان کو قرض و ہجرت پر مجبور کر دیتا ہے۔ اسلام کے اس متوازن ضابطے نے دیہی معیشت کو استحکام دیا۔

اہمیت: فلاح، بیت المال اور معاشرتی توازن

دوسری سطح کی اہمیت فلاحی ہے۔ عشر زکوٰۃ کے مصارف میں جاتا ہے، یعنی دیہات ہی کے غریب، مسکین اور دیگر مستحقین اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں؛ اس طرح گاؤں کی دولت گاؤں ہی کے کمزور طبقے تک پہنچتی ہے اور دیہی غربت کو مقامی سطح پر سنبھالا ملتا ہے۔ خراج کی اہمیت ریاستی فلاح میں ہے: اس کی مستحکم آمدن سے نہریں، بند، سڑکیں، پل اور سرحدی انتظامات قائم رہتے تھے جن کا فائدہ بالآخر خود کسان اور زراعت کو ہوتا تھا۔ یہ ایک مکمل چکر ہے: زمین سے آمدن، آمدن سے بنیادی ڈھانچہ، اور ڈھانچے سے بہتر پیداوار۔ معاشرتی توازن کی سطح پر یہ نظام جاگیرداری جبر کو بھی کنٹرول کرتا ہے، کیونکہ محصول کے اصول مقرر ہیں اور وصولی ضابطے کے تابع ہے، نہ کہ مقامی طاقتور کی مرضی پر۔ اس نظام کی ایک اور اہمیت اس کا طویل تاریخی تجربہ ہے؛ صدیوں تک مختلف خطوں میں اس کے تحت زراعت اور خزانہ دونوں چلتے رہے، جو اس کی عملی قابلیت کی دلیل ہے۔

جدید تناظر میں اہمیت

جدید دور میں عشر و خراج کا موضوع کئی وجوہ سے اہم ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ مسلمان ممالک میں زرعی زکوٰۃ یعنی عشر کی ادائیگی آج بھی ایک زندہ شرعی ذمہ داری ہے اور کسان طبقے کی بڑی تعداد اس سے واقفیت چاہتی ہے؛ بعض خطوں میں اسے باقاعدہ قانون کی شکل بھی دی گئی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ خراج کا تاریخی تجربہ آج کے زمینی محصولات اور زرعی ٹیکسوں کے لیے اصولی رہنمائی دیتا ہے: محصول زمین کی اصل زرخیزی اور پیداوار سے جڑا ہو، چھوٹے کسان کا تحفظ ہو، آمدن عوامی فلاح پر لگے اور وصولی شفاف ہو۔ تیسری وجہ علمی ہے: ان اداروں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی مالیاتی نظام صرف چند انفرادی عبادات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل تاریخی معاشی نظام رہا ہے جس میں عبادت، محصول، فلاح اور ترقی سب باہم جڑے تھے۔ البتہ طالب علم کو یہ فرق ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عشر کی شرعی ذمہ داری اور آج کے ریاستی ٹیکسوں کی قانونی نوعیت الگ الگ بحثیں ہیں؛ ان کا باہمی تعین حکومت و اہلِ علم کے اجتماعی فیصلوں کا موضوع ہے، انفرادی رائے کا نہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ عشر اور خراج اسلامی مالیاتی نظام کے دو اہم زرعی ادارے ہیں: عشر مسلمان کسان کی پیداوار پر عبادت و زکوٰۃ کی حیثیت رکھتا ہے جس کی شرح سیرابی کے خرچ کے مطابق دسواں یا بیسواں حصہ ہے، اور خراج تاریخی ریاست کا زمینی محصول تھا جو بیت المال کو مستحکم آمدن دیتا تھا۔ ان کی اہمیت اس میں ہے کہ یہ کسان کے ساتھ عدل و سہولت برتتے ہیں، دیہی غربت کے لیے عشر کے ذریعے مقامی فلاح مہیا کرتے ہیں، ریاست کو ترقیاتی اخراجات کے لیے پائیدار آمدن دیتے ہیں اور محصول کو ظلم و استحصال سے بچا کر ضابطے کے تابع رکھتے ہیں۔ یہی توازن ان دونوں کو آج بھی مطالعے اور اصولی رہنمائی کا اہم موضوع بناتا ہے۔